مائیکروفائنانس سے متعلق چند نئے مسائل

مولانا محمد صابر حسین ندوی
استاذ فقہ مدرسہ ضیاء العلوم کنڈلور

دنیا میں دولت کی تقسیم یکساں نہیں ہے، اللہ تعالی نے تفاوت رکھا ہے، کوئی امیر ہے تو کوئی غریب، کسی کے گھر مال واسباب کا ریلا بہتا ہے تو کوئی قطرہ قطرہ کو ترستا ہے، مگر یہ نظام کوئی ناانصافی پر مبنی نہیں، یہ لوگوں کی آزمائش اور بندگی کیلئے ہے، امیروں کو حکم ہے کہ وہ زکات نکالیں، صدقہ وخیرات کریں اور کمتر لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ حتی المقدور مال کمانے اور روزی روٹی کی تلاش میں سرکھپائیں، اسی غرض سے تجارتی منڈیاں اور کاروبار کی دنیا آباد ہوتی ہے، کھیتی باڑی اور باہمی تعاون کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

اس طرح کوشش کی جاتی ہے کہ کمزوروں کو دولت کمانے اور معاشرے میں سر اٹھانے کا موقع فراہم کیا جائے، خرد مالیہ یا مائیکروفائنانس بھی اسی کی شکل ہے، جس سے مراد مال ودولت سے محروم آبادی میں کم مالیتی ادھار کی فراہمی ہے، یہ معاشی ترقی کیلئے ایک لازمی ذریعہ ہے جس سے اس آبادی کو قومی دھارے میں شامل کیا جاسکتا ہے، اس کی اہمیت اور افادیت بھی مسلم ہے، دنیا کے کئی ملکوں میں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر معاشی طور بدحال لوگوں کے حالات سدھارنے کیلئے مائیکروفائنانس کی آبادی کے وسیع تر غریب لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بنگلہ دیش میں اسی کوشش پر کام کرنے والے محمد یونس کو نوبل انعام سے نوازا گیا۔(۱)

بلاسودی مائکروفائنانس کی اجازت

اصل دشواری یہ ہے کہ مائکروفائنانس کی صورت اور شکل میں رنگ سود سے بھرا جاتا ہے، بہت حد تک مسلم ممالک اور مسلم معاشرے میں یہ سعی پیہم کی جاری رہی ہے کہ اسے سود سے بچایا جائے؛ لیکن عمومی معاشی نظام یا کہئے کہ عالمی معاشی نظام پر مسلمانوں کا کنٹرول نہ ہونے کی بنا پر یہ ممکن نہیں ہو پاتا ہے اور کہیں نہ کہیں سود در آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بنوری ٹاون سے مائکروفائنانس کے تعلق سے استفتاء لیا گیا تو اس کا جواب تھا:

”.....مائیکروفائنانس کا ادارہ چونکہ سودی قرضوں کا لین دین کرتا ہے، اس لئے اس قسم کے ادارے

میں کام کرنا اور تنخواہ لینا سودی معاملات میں تعاون پائے جانے کی وجہ سے ناجائز ہے، قرآنِ مجید میں سودی لین دین کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے''۔(۲)

سائل نے اس استفتاء میں جو صورت ذکر کی ہے وہ سود پر مبنی ہے، ظاہر ہے کہ اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، قرآن کریم میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِه.(۳)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو، پھر اگر تم اس پر عمل نہیں کروگے تو اشتہار سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے''۔

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سود کے معاملے میں کسی بھی طرح کی شمولیت پر لعنت بھیجی ہے، صحیح مسلم میں ہے:

عن جابر، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا، ومؤكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء.(۴)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور ارشاد فرمایا: یہ سب (سود کے گناہ میں) برابر ہیں''۔

البتہ مائکرو فائنانس کو سود سے پاک کردیا جائے تو بلاشبہ یہ ایک بہترین عمل ہے اور اس کی نہ صرف اجازت ہوگی؛ بلکہ قابل تقلید و تحسین عمل بھی کہلائے گا، چھوٹی چھوٹی رقوم جمع کرکے انہیں مضاربت، مرابحہ یا کسی ایسی اسکیم، کاروبار اور تجارت میں لگایا جائے جن میں سود نہ ہو اور اس رقم سے لوگوں کی مدد کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بالخصوص مال دار اور اصحاب ثروت حضرات اگر قرضہ حسنہ کا ایک حصہ خاص کردیں اور لوگوں کی ضرورت پوری کریں تو انہیں صدقہ سے بھی زیادہ ثواب ملے گا۔

معاوضہ پر مبنی اجتماعی کفالت

اسلام میں اجتماعی کفالت کا تصور ہے؛ بلکہ اس کی خوب تاکید بھی ہے، وقف، عاقلہ، بیت المال وغیرہ اور صدقہ وخیرات، زکات کا اجتماعی نظام، قرضہ حسنہ، اسی طرح اجتماعی کسی ضرورت مند کی مدد کرنا جیسے یتیموں کی کفالت یا قرض ادا کرنے میں مدد وغیرہ یہ سب اسلام کے اہم تعلیمات کا حصہ ہیں، چنانچہ لوگوں کی نصرت و معاونت کی خاطر اجتماعی نظام بنانا یہ پسندیدہ عمل ہے؛ لیکن اجتماعی کفالت بر معاوضہ ہو تو بھی اسے منظم کرنے کی اجازت ہے اور شرعی تعلیم میں

اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں، مثلاً:

نظام تکافل

یعنی شراکت دار ایک مشترکہ فنڈ میں حصہ ڈالتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، قدیم اصطلاح میں اسے عاقلہ کے قریب سمجھا جاتا ہے، یہ نظام سود، غرر اور جوا سے پاک ہوتا ہے۔

مشارکہ

یہ اسلامی معاملات میں بہت عام اصطلاح ہے، یعنی اجتماعی سرمایہ کاری کے ذریعہ منافع کمایا جائے، جہاں نفع اور نقصان دونوں میں شراکت داری ہوتی ہے۔

کمپنی سے قرض کا حکم

مائیکروفائنانس کمپنی میں جمع کی جانے والی رقم وقف اور تبرع دونوں کی حیثیت سے جمع کر سکتے ہیں، مختلف اغراض سے ان کا تصرف بھی ہوسکتا ہے، اس میں کوئی شرعی مانع نہیں، شرط یہ ہے کہ کمپنی میں پیسے رضامندی سے جمع کرائیں، کسی قسم کے اخلاقی دباؤ وغیرہ کی وجہ سے نہیں، نیز کھاتہ دار پر کمپنی کے تمام تصرفات واضح ہوں، اگر وہ اس پر راضی ہیں تو پھر کمپنی سے طالبین کو خواہ گروپ میں شامل افراد ہوں یا خارجی افراد ہوں انہیں قرض فراہم کیا جاسکتا ہے۔

فقہی کتابوں میں ایک بات یہ ملتی ہے کہ زکات کی ادائیگی میں نیت مقارنہ ہونی چاہئے:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم في يد الفقير، أو نوى عند الدفع للوكيل ثم دفع الوكيل بلا نية. (۵)

اسی طرح کمپنی کے کھاتے دار سے رقم جمع کرواتے ہوئے ضروری ہے کہ ان پر معاملہ واضح ہو۔

اب اس کے بہت سے طریقے ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ کھاتے دار کو کھاتہ کھولنے کے وقت ہی بتادیا جائے، اور اس سے دستخط لے لیا جائے، دوسرا یہ کہ اسے عرف کے تحت رکھا جائے، معاملات میں خصوصاً عرف کا بڑا دخل ہوتا ہے، اگر کسی علاقے میں اس طرح کی ویلفئر سوسائٹیز اور مائکروفائنانس کا عمل گروپ کے لوگوں کیلئے اور خارجی افراد کیلئے معمول ہو تو اسے عرف کے تحت روا رکھا جائے گا اور مستقل اجازت کی ضرورت نہ ہوگی۔

سروس چارج کا حکم

فقہاء کا قاعدہ کلیہ ہے کہ ''اذا ضاق الامر اتسع''، یعنی جب کسی معاملہ کی ناگزیری کے باوجود سخت دشواری پیش آجائے تو بہ قدر ضرورت تخفیف کردی جاتی ہے۔(۶)

اس تخفیف میں اس وقت اور آسانی ہوسکتی ہے جبکہ معاملہ کی صورت و کیفیت کا کوئی دوسرا ناحیہ بھی پیدا ہوجائے ،مثلا: قرض لینا ناگزیر ہو لیکن بطور سروس چارج (اجرۃ الخدمۃ) رقم کی ادائیگی مطلوب ہو؟ معاملہ گو بظاہر ''**کل قرض جر نفعا فھو الربا**'' کے تحت سودی نظر آتا ہے؟ مگر ایک پہلو اس کا یہ بھی ہے کہ مطلوبہ رقم دفتری اخراجات کیلئے ہو ؛ کیونکہ فریق آخر (مائکرو فائنانس کمپنی) کا نظام اس کا سسٹم اور عملہ کی مزدوری و تنخواہ وغیرہ کی ذمہ داری جو کہ اس پر لازم ہے ایسے میں وہ قرض بھی دے اور اخراجات کو اپنے سر مول لے یہ مناسب نہیں۔

اسلامی نقطہ نظر ہے کہ ''**لا ضرر لا ضرار**'' (۷) **الضرر یزال** (۸) **الضرر یدفع بقدر الامکان** (۹) یعنی اسلامی قانون میں سے ہے کہ نہ تو نقصان برداشت کرنے اور نہ ہی نقصان میں مبتلا کرنے کی اجازت ہے اور اگر ایسا ہو بھی تو حتی المقدور اسے دفع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتھم ایک استفتا کے جواب میں لکھتے ہیں:

''سود لینا اور دینا دونوں گناہ ہے، البتہ سرکار اور سرکاری ادارہ اور اشخاص اور پرائیویٹ ادارہ کے حکم میں ایک گونہ فرق ہے، جب ہم اس ملک کے شہری ہیں تو جیسے حکومت دوسرے شہریوں کو روزگار کیلئے قرض فراہم کرتی ہے، ویسے ہی مسلمانوں کو بھی اس طرح کی سہولت فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، اور ہمارا بحیثیت شہری اس پر حق ہے، لہذا جو مسلمان واقعی بے روزگار ہوں اور معاشی اعتبار سے اس سطح پر ہوں کہ خود اپنے پیسوں سے کوئی روزگار شروع نہیں کر سکتے، ان کیلئے ایسے قرض حاصل کرنا جائز ہے، جس میں زائد رقم سود کے نام سے لی جاتی ہے، اسے انتظامی اخراجات بھی قرار دیا جاسکتا ہے، حضرت مولانا نظام الدین اعظمی سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کا رجحان اسی طرف ہے، ورنہ اسکی حیثیت سود یا قرض پر رشوت دینے کی ہوگی اور مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہوگی، اصل یہ ہے کہ گورنمنٹ کا مقصد اس طرح کی اسکیم سے سود حاصل کرنا نہیں ہوتا ؛ بلکہ بے روزگاری دور کرنا ہوتا ہے، اسی لئے بعض اوقات قرض کا کچھ حصہ معاف بھی کر دیا جاتا ہے''۔(۱۰)

ایک ایسے ہی مسئلہ میں قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی لکھتے ہیں:

''البتہ اگر سروس چارج سے مراد واقعی عادلانہ اخراجات ہیں، جو اس نظام کو چلانے پر خرچ ہوتے ہیں، جسے انتظامی اخراجات۔۔۔۔کہا جاسکتا ہے، تو اس پر غور کیا جانا چاہئے ؛ کہ قرض خواہ جو اس نظام سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، کیوں نہ وہیں اس پر آنے والے خرچ کے ذمہ دار قرار دئے جائیں، ٹھیک جس طرح ایک قرض خواہ جو اپنے دوست سے کوئی قرض حاصل کرتا ہے، تو درمیانی قاصد کے آنے جانے کے اخراجات یا بذریعہ منی آرڈر قرض کی واپسی کے اخراجات اس کو ادا کرنا پڑتے ہیں، اور اس پر کوئی

اعتراض نہیں کیا جاتا، اور ظاہر ہے کہ جب حقیقی اخراجات ہی قرض خواہوں سے وصول کئے جائیں گے، تو یہاں کوئی ایسی اضافی آمدنی حاصل نہ ہوگی جو اصحاب سرمایہ سوسائیٹیز کیلئے آمدنی اور ذریعہ تمول بنے؛ البتہ صرف ایک خطرہ رہ جاتا ہے کہ سوسائیٹیز قائم کرنے والے افراد اگر خوف خدا سے خالی دل رکھتے ہوں تو ضروری اخراجات کی مد کو پھیلا کر وہ اپنے تعیش اور تمول کا راستہ نکالیں گے؛ لیکن اس طرح کے مالیاتی اداروں کوئی اپنا وفاقی بورڈ موجود ہو جو عادلانہ اخراجات کا تعین وقتاً فوقتاً کرتا رہے، تو اس شرعی گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا سدباب کیا جاسکتا ہے''۔(۱۱)

اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مائیکرو فائنانس کے تحت قرض کی ادائیگی یا کھاتہ شراکت پر سروس چارج کو جسے سروس چارج کہا جاسکتا ہو؛ انتظامی خرچ شمار کرتے ہوئے وسعت کی گنجائش ہو اور یہ سود کے دائرے میں نہ آئے گا، اس کی ایک نظیر فقہی کتابوں میں اس طرح ملتی ہے:

''یستحق القاضی الأجر علی کتب الوثائق والمحاضر والسجلات قدر مایجوز بغیرہ کالمفتی فانہ یستحق أجر المثل علی کتابة الفتوی ؛لأن الواجب علیہ الجواب باللسان دون الکتابة بالبنان ومع ھذا الکف أولی احترازا عن القیل والقال وصیانة لماء الوجہ عن الابتذال''۔(۱۲)

یعنی قاضی کیلئے رجسٹر پر لکھنے اور اندراج کرنے کیلئے مناسب اجرت لینے کی اجازت ہوتی ہے؛ البتہ اس سے بچنا زیادہ افضل ہے۔

حقیقی خرچ کے علاوہ رقم

البتہ ایک شق پر اختلاف کیا جاسکتا ہے کہ حقیقی خرچ کے علاوہ زائد رقم کا جمع کروانا اس اندیشہ سے کہ آئندہ مزید انتظامی خرچ کی ضرورت پڑسکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی رحمہ اللہ کا اندیشہ درست معلوم ہوتا ہے:

''البتہ صرف ایک خطرہ رہ جاتا ہے کہ سوسائیٹیز قائم کرنے والے افراد اگر خوف خدا سے خالی دل رکھتے ہوں تو ضروری اخراجات کی مد کو پھیلا کر وہ اپنے تعیش اور تمول کا راستہ نکالیں گے''...ظاہر جب کمپنی وسیع تر ہوجائے اور عام لوگوں کی پہنچ سے باہر ہوجائے، نیز اگر کوئی سرمایہ دار اسے کنٹرول کرنے لگے تو پھر شفافیت ممکن نہیں اور اس طرح ایک مائکرو فائنانس کمپنی کسی کی اجارہ داری قائم ہوجائے گی۔

ہاں! یہ ممکن ہے کہ شفافیت برقرار رکھی جائے اور ایک بورڈ ہو جس کا سالانہ اجتماع ہو اور رپورٹ عام کی جائے، وہ بورڈ اس کمپنی کی نگہداشت کرے تو انتظامی خرچ میں اضافی رقم دی جاسکتی ہے۔(۱۳)

حضرت قاضی صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اندیشے کے ساتھ یہ بات بھی لکھی ہے:

''...؛لیکن اس طرح کے مالیاتی اداروں کوئی اپنا وفاقی بورڈ موجود ہو جو عادلانہ اخراجات کا تعین وقتاً فوقتاً کرتا رہے،تو اس شرعی گنجائش سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا سدباب کیا جاسکتا ہے''۔(۱۴)

مرابحہ للآمر بالشراء

مرابحہ کا لفظ 'ربح' سے ماٴخوذ ہے۔ربح کے لغوی معنی وہ زیادتی ہے جو عقدِ بیع کی صورت میں حاصل ہو:

الربح الزيادة الحاصلة في المبايعة.(۱۵)

فقہاء کی اصطلاح میں بیع مرابحہ سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی قیمتِ خرید سے زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کرنا:

هو البيع بمثل الثمن الأول مع زيادة ربح.(۱۶)

''کسی چیز کو اس کی اصل قیمت اور اضافی نفع کے ساتھ فروخت کرنا''۔

بیع مرابحہ کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے،اور فقہاء نے اس کو جائز قرار دیا ہے،چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

النَّاسُ تَوَارَثُوا هَذِهِ الْبِيَاعَاتِ فِي سَائِرِ الْأَعْصَارِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ وَذَلِكَ إجْمَاعٌ عَلَى جَوَازِهَا.(۱۷)

''لوگوں میں بیع کی یہ قسمیں (الْمُرَابَحَةِ وَالتَّوْلِيَةِ وَالْإِشْرَاكِ وَالْوَضِيعَةِ) تمام ادوار میں بغیر کسی ناگواری کے چلی آرہی ہیں،یہ ان کے جواز پر اجماع کی دلیل ہے''۔

بیع مرابحہ کے جواز کے شرائط

ثمن اول مشتری ثانی کو معلوم ہو۔(۱۸)

ربح (نفع) معلوم ہو۔(۱۹)

رأس المال مثلی،مکیلی،موزونی یا عددی ہو۔(۲۰)

بیع مرابحہ میں سود (ربا) کا لزوم نہ ہو۔مثلاً: مکیلی یا موزونی شئی کو اپنی جنس کے ساتھ فروخت کرنا ہو تو اس میں ثمن اول پر زیادتی ناجائز ہے (کیونکہ یہ سود ہے جو حرام اور ناجائز ہے) اور ساتھ ہی نسیئہ (اُدھار) بھی ناجائز ہے؛البتہ جب مخالف جنس کے ساتھ فروخت کرنا ہو تو مرابحہ جائز ہے۔(۲۱)

بیع مرابحہ کیلئے عقدِ اوّل کا صحیح ہونا ضروری ہے؛کیونکہ یہ ثمنِ اول پر زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے کا نام ہے، جب عقدِ اول صحیح نہ ہو (یعنی فاسد ہو) تو اس میں ملکیت مبیع کی قیمت (مارکیٹ ریٹ) کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔(۲۲)

--بیع مرابحہ بنیادی طور باضابطہ تمویلی طریقہ نہیں ہے بلکہ یہ 'عقد امانت' ہے؛کیونکہ اس میں بائع گویا یہ کہہ رہا

ہوتا ہے کہ میں مشتری سے اتنی مقدار کا منافع کمار ہا ہوں، البتہ بعض ضرورتوں کی وجہ سے مرابحہ بھی تمویلی طریقہ کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اسلامی بینکاری میں مرابحہ کی پریکٹس بطورِ تمویل جاری ہوگئی ہے، جسے 'المرابحہ للآمر بالشراء' کہتے ہیں۔

مرابحہ للآمر بالشراء کی تعریف

هي طلب الفرد أو المشترى من شخص آخر (أو المصرف) أن يشترى سلعة معينة بمواصفات محددة، وذلك علي أساس وعد منه بشراء تلك السلعة اللازمة له مرابحة، وذلك بالنسبة أو الربح المتفق عليه، ويدفع الثمن علي دفعات أو أقساط تبعا لإمكانياته وقدرته المالية. (۲۳)

''مرابحہ یہ ہے کہ کوئی آدمی یا خریدار دوسرے آدمی (یا بینک) سے معیّن اور مخصوص صفات کے ساتھ موصوف سامان کا مطالبہ کرتا ہے، اس بنیاد پر کہ وہ (خریدار) وعدہ کرتا ہے کہ وہ یہ سامان بیع مرابحہ کے ساتھ اس (دوسرے آدمی یا بینک) سے خریدے گا، اور یہ (اصل قیمت کی) نسبت (کی زیادتی کے ساتھ) یا (دونوں کے مابین) طے شدہ منافع پر ہوگا، اور سامان کی قیمت قسطوں کے ساتھ اپنی مالی قدرت اور حیثیت کے مطابق ادا کرے گا''۔

مرابحہ کا یہ عقد مندرجہ ذیل مراحل سے گزر کر تکمیل کو پہنچتا ہے: گاہک یا خریدار اسلامی بینک یا مالیاتی ادارے کو اپنی رغبت ظاہر کرتا ہے کہ میں فلاں سامان مرابحہ کے ذریعے آپ کے واسطے سے خریدنا چاہتا ہوں۔ بینک یا ادارہ گاہک سے وعدہ لیتا ہے کہ اگر ہم نے مارکیٹ سے مطلوبہ سامان خرید لیا تو پھر بعد میں یہ آپ کو خریدنا ہوگا۔ اس وعدے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بینک یا ادارہ وہ سامان خرید لے اور پھر گاہک اُسے خریدنے سے انکار کردے۔

بینک یا ادارہ مطلوبہ سامان مارکیٹ سے خریدتا ہے۔ عموماً ادارہ اسی گاہک کو خریداری کے لئے اپنا وکیل بناتا ہے، چنانچہ گاہک بطورِ وکیل سامان کی خریداری کرتا ہے۔ اس کے لئے عام طور پر فریقین کے درمیان وکالت (Agency) کا تحریری معاہدہ کیا جاتا ہے۔ گاہک مطلوبہ سامان خرید کر اس پر قبضہ کرتا ہے۔ وکیل کا یہ قبضہ بینک یا ادارے کا قبضہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر یہ سامان گاہک کی خریداری سے پہلے ہلاک ہو جائے تو یہ بینک یا ادارے کا نقصان ہوگا۔

گاہک مطلوبہ سامان خریدنے کے بعد بینک کو اطلاع دیتا ہے کہ آپ کے وکیل کی حیثیت سے فلاں سامان خرید کر اس پر قبضہ کر چکا ہوں۔ اس کے بعد گاہک بینک کو آفر (Offer) کرتا ہے کہ وہ اسے یہ سامان مرابحہ کی بنیاد پر فروخت کردے۔ فقہی اصطلاح میں اسے 'ایجاب' کہتے ہیں۔ بینک یا ادارہ اس ایجاب کو 'قبول' کرتا ہے جس سے

بینک اور گاہک کے مابین مرابحہ کا عقد تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اب اس سامان کی ملکیت اور رِسک دونوں گاہک کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں۔(۲۴)

مقررہ تناسب کا اعتبار

یہ معلوم رہنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو یہ کہتا ہے کہ آپ میرے لیے بازار سے فلاں چیز لے آؤ تو یہ توکیل (وکیل بنانے) کا معاملہ ہے، یعنی پہلے شخص نے دوسرے کو اپنا وکیل بالشراء بنایا ہے، اور وکالت جس طرح اجرت کے بدلے ہوتی ہے، اسی طرح بطورِ تبرع بھی ہوتی ہے، اور بطورِ وکیل کوئی کام کرنے پر وکیل کو اجرت لینے کا حق اس وقت ہوتا ہے جب وکالت کے وقت صراحۃً اجرت کی شرط لگالی گئی ہو یا پھر یہ دوسرا آدمی (وکیل) معروف اجرت کے بدلے ہی کام کرنے میں مشہور ہو، یعنی اس کا پیشہ ہی یہ ہو کہ وہ معروف اجرت کے بدلہ کام کرکے دیتا ہو، لیکن اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو پھر وکیل کو مؤکل سے اجرت لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔(۲۵)

چنانچہ کمپنی میں جمع شدہ رقم پر کمپنی امین بھی ہے اور شریک بھی، ایسے میں کمپنی خواہ مضاربت کرے یا مشارکہ اس کیلئے ضروری ہے کہ کھاتہ دار کو اس کی معلومات دی جائے، اب یہ خبر عرف پر مبنی ہوگی، یعنی اگر کسی مائیکرو فائنانس کے تعلق سے معروف ہے کہ اس میں جمع رقم مضاربت یا مشارکت پر لگائی جاتی ہے کہ تو وہ کافی ہے کہ اسے کھاتہ دار کی رضامندی شمار کی جائے اور ایسا نہیں تو پھر تحریری اجازت ضروری ہوگی۔

دررالحکام فی شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

> إذا شرطت الأجرة في الوكالة وأوفاها الوكيل استحق الأجرة، وإن لم تشترط ولم يكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة كان متبرعا. فليس له أن يطالب بالأجرة) يستحق في الإجارة الصحيحة الأجرة المسمى. وفي الفاسدة أجر المثل ...لكن إذا لم يشترط في الوكالة أجرة ولم يكن الوكيل ممن يخدم بالأجرة كان متبرعا، وليس له أن يطلب أجرة. أما إذا كان ممن يخدم بالأجرة يأخذ أجر المثل ولو لم تشترط له أجرة.(۲۶)

وکیل بالاستثمار اور شرائط

فقہی کتابوں کے مطالعہ سے وکیل بالاستثمار کی چند شرطیں معلوم ہوتی ہیں، یہاں پر ان شرائط کو نقل کیا جاتا ہے، اسی سے کمپنی کا وکیل بالاستثمار کا عمل واضح ہوجائے گا:

جائز طریقہ خرید وفروخت

وکیل بالاستثمار کی شرائط میں سے اول تو یہی ہے کہ یہ خرید وفروخت جائز طریقے پر ہو اور جائز مال کا ہو، بصورت دیگر اس کی اجازت نہ ہوگی، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

إذا وقع البيع الباطل، وحدث فيه تسليم شيء من أحد الطرفين وجب رده، لأن البيع الباطل لا يفيد الملك بالقبض، ويجب على كل من الطرفين رد ما أخذه إن كان باقيا. (۲۷)

اجرت کی تعیین

وکیل بالاستثمار میں وکالت دونوں طرح کی ہوتی ہیں، اجرت کے بدلے بھی ہوتی ہے اور بطورِ تبرع بھی ہوتی ہے۔ پھر بطورِ وکیل کوئی کام کرنے پر وکیل کو اجرت لینے کا حق اُس وقت ہوتا ہے جب وکالت کے وقت صراحۃً اجرت کی شرط لگالی گئی ہو یا پھر یہ دوسرا آدمی (وکیل) معروف اجرت کے بدلے ہی کام کرنے میں مشہور ہو، یعنی اس کا پیشہ ہی یہ ہو کہ وہ معروف اجرت کے بدلہ کام کرکے دیتا ہو، لیکن اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہ پائی جائے تو پھر وکیل کو مؤکل سے اجرت لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

شرح المجلۃ میں ہے:

(المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه وقبض العين من جهة الوكالة في حكم الوديعة في يده فإذا تلف بلا تعد ولا تقصير لا يلزم الضمان. والمال الذي في يد الرسول من جهة الرسالة أيضا في حكم الوديعة). ضابط: الوكيل أمين على المال الذي في يده كالمستودع. (۲۸)

وکیل مال کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا

یہ بھی ایک شرط ہے کہ وکیل مال کو اپنے لئے نہیں خرید سکتا؛ البتہ موکل موجود ہو اور اسے کوئی اعتراض نہ ہو تو حرج نہیں:

ليس لمن وكل باشتراء شيء معين أن يشتري ذلك الشيء لنفسه حتى لا يكون له وإن قال: عند اشترائه اشتريت هذا لنفسي بل يكون للموكل إلا أن يكون قد اشتراه بثمن أزيد من الثمن الذي عينه الموكل أو بغبن فاحش إن لم يكن الموكل قد عين الثمن فحينئذ يكون ذلك المال للوكيل وأيضا لو قال الوكيل اشتريت هذا المال لنفسي حال كون الموكل حاضرا يكون ذلك المال للوكيل. (۲۹)

کمپنی کیلئے شرائط

وکیل بالاستثمار میں ذکر کردہ شرائط کا لحاظ کمپنی کو بھی کرنا چاہئے، تحریراً یا عرفاً ضروری ہے کہ ان شرطوں کو ملحوظ

رکھے، جائز طریقہ میں مال انویسٹ ہو اور اس کی کمائی حلال ہو، کھاتہ دار کی منشاء کا خیال رکھا جائے۔

سرورس چارج کا معیار

حدیث اور اصول فقہ کے تناظر میں ''الغنم بالغرم'' (۳۰) کا قاعدہ مسلم ہے، یعنی یہ کہ نقصان کے بقدر ہی تاوان لازم آئے گا، یہی وجہ ہے کہ کمپنی کے دفتری اخراجات کو سود نہ شمار کرتے ہوئے سروس چارج کے طور پر جائز سمجھا گیا ہے؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خواہ رقم بیس ہزار کی ہو یا بیس لاکھ کی اندراج، تحفظ وغیرہ میں تقریباً یکساں وقت ومحنت درکار ہوتے ہیں، البتہ سرمایہ کاری میں وقت اور پلاننگ میں فرق ہوسکتا ہے، تاہم یہ معیار بنانا مشکل ہے کہ کتنی رقم اور کس مد میں کتنی سروس چارج ہو؟

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی رقم طراز ہیں:

> ''.....تاہم اس پر پورا اطمینان نہیں ہوتا کہ سودی قرضوں پر وصول کی جانے والی شرح قرض کی مقدار کے لحاظ سے اور اسی تناسب سے کم وبیش ہوتی ہے، اگر یہ دفتری اجرت ہوتی تو ضروری تھا کہ یہ فرق نہ پایا جاتا؛ کیونکہ رقم پچاس ہزار ہو یا پانچ ہزار دفتری کاروائی میں وقت اور محنت یکساں لگتی ہے''۔(۳۱)

ایسے میں یہ تعین کرنا دشوار ہے کہ سروس چارج میں کن چیزوں کو شامل کیا جائے اور کن کو نہیں، البتہ اتنا طے ہے کہ بنیادی ضرورتیں جو ایک کمپنی کیلئے ہوتی ہیں ان کے اخراجات سروس چارج میں مانے جائیں گے، مثلاً حساب کتاب آڈٹ کے اخراجات، آفس کی تعمیر یا کرایہ، گاڑی ٹرانسپورٹ اور فرنیچر وغیرہ.....اس میں تشہیر کے سلسلہ میں کچھ شبہ ہوتا ہے؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کمپنی کی توسیع اور ترقی کیلئے یہ بھی ضروری ہے، اگر کمپنی کو مزید آگے نہیں بڑھانا ہے تو ایک الگ بات ہے؛ لیکن اگر اس کی ترقی مقصود ہو تو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچنا ضروری ہے اور اس کیلئے تشہیر بھی ایک ذریعہ ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے اچھی بات یہ ہے کہ کھاتے داروں کی نمائندگی کرنے والی ایک ٹیم خود فیصلہ کرے کہ بنیادی اخراجات کیا ہیں؟ اور کیا ایک کمپنی کی بہتری اور ترقی کیلئے ضروری ہے، بورڈ اور اصحاب حل وعقد کی جماعت کا فیصلہ اخراجات اور سروس چارج کی تعیین کرے؛ تاہم اگر ایسا معلوم ہو کہ یہ زیادتی اور ناانصافی پر مبنی ہے تو کھاتہ داروں کو آواز اٹھانا لازم ہے۔

تاخیر پر جبری صدقہ

اسلامی بنکوں، کمپنیوں کو اس دشواری کا تا حال کوئی حل نہ مل سکا کہ اگر کوئی کمپنی سے معاملہ کرے اور وقت کی پابندی نہ کرے تو کیا کیا جائے؟ اس سلسلہ میں مالی جرمانہ ایک اہم ذریعہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو عہد کی پابندی کروائی

جائے؛لیکن اس میں دو رکاوٹیں ہیں: پہلی یہ کہ مالی جرمانہ عموماً فقہاء درست نہیں سمجھتے، دوسری یہ کہ مالی جرمانہ سود کا ایک دروازہ بن سکتا ہے؛ کیونکہ کمپنی اور بینکوں سے عام طور پر رقم لی جاتی ہے اور رقم کے بدلے اسی مقدار میں رقم واپس لینے کی اجازت ہے اس سے زیادہ نہیں، ورنہ وہ سود بن جائے گا۔

ایک طریقہ اسلامی بنکوں میں جاری ہے کہ تاخیر پر بالجبر صدقہ کروایا جائے اسے اصطلاح میں التزام تصدق کہتے ہیں۔فقہائے احناف کے ہاں وعدہ اگر کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو تو اس کو پورا کرنا لازم ہے، موسوعہ فقہیہ میں مختلف فقہی مراجع سے یہ بات نقل کی گئی ہے:

القول الخامس: أن إنجاز الوعد المجرد غير واجب، أما الوعد المعلق على شرط، فإنه يكون لازما، وهو مذهب الحنفية، حيث نقل ابن نجيم عن القنية: لا يلزم الوعد إلا إذا كان معلقا وفي الفتاوى البزازية: أن المواعيد باكتساء صور التعليق تكون لازمة ونصت المادة من مجلة الأحكام العدلية: المواعيد بصور التعاليق تكون لازمة.مثال ذلك: لو قال شخص لآخر: ادفع ديني من مالك، فوعده الرجل بذلك، ثم امتنع عن الأداء، فإنه لا يلزم الواعد بأداء الدين، أما قول رجل لآخر: بع هذا الشيء لفلان، وإن لم يعطك ثمنه فأنا أعطيه لك، فلم يعط المشتري الثمن.(۳۲)

علامہ ابن نجیم مصری نے بزازیہ اور زیلعی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

ولا يلزم الوعد إلا إذا كان معلقا كما في كفالة البزازية، وفي بيع الوفاء كما ذكره الزيلعي.(۳۳)

مگر اس میں دو باتوں کا لحاظ خصوصاً رکھا جاتا ہے اور یہ شرائط میں ہیں، اگر انہیں ملحوظ نہ رکھا گیا تو یہ معاملہ سودی بن جائے گا:

پہلی شرط: وہ صدقہ بینک/کمپنی اپنے مفاد میں استعمال نہیں کرسکتا، ضروری ہوگا کہ ان صدقات کا ایک الگ فنڈ ہو اور اسے رفاہی کاموں یا دیگر مشترکہ مفادات جو ضرورت مندوں پہونچیں ان میں لگا دیا جائے۔

دوسری شرط: حاصل شدہ بالجبر صدقہ متعینہ کو مبیع کی قیمت کا حصہ نہیں بنا سکتے۔

مائیکرو فائنانس یا غیر سودی ادارے یہی کرتے ہیں کہ اس صدقہ کو اپنے مفاد میں استعمال نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو مبیع (خریدی ہوئی چیز) کی قیمت کا حصہ بناتے ہیں؛ بلکہ اس پر قانونی طور پر لازم ہوتا ہے کہ وہ یہ رقم (چیرٹی فنڈ) یا کسی بھی معتبر خیراتی ادارے کے حوالے کردیتے ہیں؛لہذا اسلامی کمپنی/بینک کا تاخیر پر زائد رقم کا مطالبہ مالی جرمانہ نہیں اور اس کی گنجائش ہے۔

و مما يجب التنبيه عليه هنا: ان ما ذكر من جواز هذا البيع انما هو منصرف الى زيادة في الثمن في نفسه، اما مايفعله بعض الناس من تحديد ثمن البضاعة على اساس سعر النقد، وذكر القدر الزائد

علی انه جزء من فوائد التاخیر فی الاداء، فانه ربا صراح، وهذا مثل ان یقول البائع: بعتك هذه البضاعة بثمانی ربیات نقدا، فان تاخرت فی الاداء الی مدة شهر، فعلیك ربیتان علاوة علی الثمانیة، سواء سماها فائدة (Interest) او لا، فانه لا شك فی کونه معاملة ربویة، لان ثمن البضاعة انما تقرر کونه ثمانیة، وصارت هذه الثمانیة دینا فی ذمة المشتری، فما یتقاضی علیه البائع من الزیادة فانه ربا لا غیر.(۳۴)

اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں:

پہلا اعتراض: صدقہ تبرع ہوتا ہے، اسے لازم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

جی! یہ بات ہے، مگر یہ بھی طے ہے کہ اگر کوئی تبرع کو خود سے لازم کرلے تو اسے پورا کیا جانا چاہئے، اس کی مثال نذر ہے، یقیناً یہ ایک استیناس کی بات ہے کہ اس کا براہ راست اس مسئلہ پر تطبیق نہیں ہوتا؛ لیکن ایک نظیر موجود ہے کہ تبرع بھی لازم ہوجایا کرتا ہے، نیز فقہاء نے خود صراحت فرمائی ہے کہ صدقہ اگر معلق کردیا جائے تو اسے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض: جرمانہ بینک/کمپنی کے معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے؛ کیونکہ کھاتہ دار اور بینک/کمپنی کے باہمی معاملے کی وجہ سے ہوتا ہے، جبکہ صدقہ بینک کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، اس لئے کہ یہ بندہ اور اللہ جل جلالہ کا معاملہ ہے، چنانچہ یہاں پر کمپنی/ بینک کے معاف کرنے کا زیادہ سے زیادہ یہ مطلب ہوگا کہ اس کی ادائیگی بینک کے ذریعے ضروری نہیں ہوگی؛ لیکن اپنے طور پر اس کو بہرحال صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔(۳۵)

خلاصہ بحث

۱۔مائیکروفائنانس جو غیر سودی نظام پر مبنی ہو اس کی کمپنی قائم کرنا جائز ہے؛ بلکہ قابل تحسین عمل ہے۔

۲۔اسلام میں اجتماعی کفالت کا نظام ہے، مثلاً اجتماعی زکات کا نظام، یتیم کی کفالت، وقف، بیت المال وغیرہ، نیز معاوضہ پر مبنی اجتماعی کفالت کا بھی نظام ہے مثلاً عاقلہ، تکافل وغیرہ۔

۳۔کمپنی کی جمع کردہ رقوم میں طالبین قرض کو قرض دے سکتے ہیں، خواہ وہ کمپنی میں شمولیت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں، البتہ ضروری ہے کہ کھاتہ داروں سے صراحتاً یا کنایۃً، عرفاً اس کی اجازت موجود ہو۔

۴۔اجرۃ الخدمۃ کی اجازت ہے جبکہ وہ مناسب ہو، انصاف پر مبنی ہو، نیز اجرۃ الخدمۃ کے نام پر زائد رقم جمع کرنا سود کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے، اس لئے احتراز بہتر ہے۔

۵۔سود سے بچتے ہوئے نفع دینے کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ان کے مال کو انویسٹ کیا جائے، مضاربہ ومشارکہ کے ذریعہ انہیں فائدہ پہنچایا جائے، نیز مرابحہ للآمر بالشراء سے بھی مشروط استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۔وکیل بالاستثمار کی بھی مشروط اجازت ہے، مؤکل کی منشاء کا خیال رکھا جائے، حلال وحرام کی تمیز ہو اور انویسٹ کی موکل کی جانب سے صراحتًا یا کنایۃ اجازت ہو۔

۷۔سروس چارج کا معیار متعین کرنا مشکل ہے، اسے اصحاب دانش پر چھوڑ دینا چاہیئے، البتہ استحصال کی صورت میں کھاتہ داروں کو چاہیئے کہ وہ اعتراض درج کروائیں۔

۸۔التزام تصدق کی بعضوں نے اجازت دی ہے، ضرورۃً اس کا مشروط استعمال کیا جا سکتا ہے کہ کمپنی اس کیلئے مستقل مد رکھے، اور یہ مبیع کی رقم میں ہرگز استعمال نہ ہو۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

حاشیہ:

۱۔اردو ویکی پیڈیا، لفظ ''مائیکروفائنانس''

۲۔فتاوی بنوری ٹاؤن:

www.banuri.edu.pk/readquestion/maicro-fainance-nami-idary-men-mulazmat-karny orr-tankhawh-leny-k-ahukam

۳۔بقرۃ:۲۷۹،۲۷۸

۴۔کتاب المساقاۃ، باب لعن آکل الربا، ومؤکلہ، ج:۳/۱۲۹، ط: داراحیاء التراث العربی

۵۔الدرالمختار:2/268

۶۔الاشباہ لابن نجیم مصری:۸۴۔الأشباہ للسیوطی:۸۳۔الوجیز:۱۷۱۔

۷۔الأشباہ للسیوطی: ۷۵،۷۶

۸۔الاشباہ لابن نجیم مصری:۸۳

۹۔الوجیز:۱۹۸

۱۰۔دیکھئے: کتاب الفتاوی:۵/۳۸۰

۱۱۔مباحث فقھیہ:۴۲۲

۱۲۔درمختار علی الرد:۵/۶۳۔کتاب الاجارۃ

۱۳۔مباحث فقھیہ:۴۲۲

۱۴۔مباحث فقھیہ:۴۲۲

۱۵۔المفردات فی غریب القرآن:۱۵۸

۱۶۔الفقہ الاسلامی وادلتہ:۵/۳۷۵

۱۷۔بدائع الصنائع:۵/۲۲۰

۱۸۔بدائع الصنائع:۵/۲۲۰

۱۹۔الفقہ الاسلامی وادلتہ:۵/۳۷۶

۲۰۔الفقہ الاسلامی وادلتہ:۵/۳۷۶

۲۱۔سرخسی،المبسوط:۱۳/۸۵

۲۲۔الفقہ الاسلامی وادلتہ:۵/۳۷۰

۲۳۔الاستثمار فی الاقتصاد الاسلامی:۳۳۴،ڈ:عبداللطیف

۲۴۔دیکھئے:اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ للآمر بالشراء میں عقدِ وکالت کی تطبیق:ایک جائزہ

/journals.asianindexing.com

۲۵۔فتاوی بنوری ٹاؤن:

www.banuri.edu.pk/readquestion/wakeel-bishira-ka-manafa-leney-ka-hukum

۲۶۔الکتاب الحادی عشر الوکالۃ،الباب الثالث،الفصل الاأول،ج۳،ص:۵۷۳،ط:دارالجیل

۲۷۔بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۵/۳۰۵

۲۸۔كتاب الوكالة، الباب الثالث في بيان احكام الوكالة:۳/۵۲۱، المادة:۱۴۶۳

۲۹۔مجلة الأحكام العدلية ص:۲۸۹، المادة:۱۴۸۵

۳۰۔نہایۃ المحتاج:۵/۱۲۴،کشاف القناع:۴/۳۷

۳۱۔دیکھئے:جدید فقہی مسائل:۴/۸۹

۳۲۔الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۴، ص:۷۵

۳۳۔الأشباه والنظائر لابن نجيم(ص:۲۴۷)ط:دارالکتب العلمیۃ

۳۴۔بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ،ج۱،ص:۱۵ط:مکتبۃ دارالعلوم کراتشی

۳۵۔اسلامی بینکاری اور علماء،ص:۳۱